جناب مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل

— الناشر —

مہتمم نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ (پاکستان)

نزولِ مسیحؑ

تقریر

قاضی محمد نذیر صاحب فاضل

برموقعہ

جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ سنہ ۱۹۶۲ء

پیش لفظ

جماعتِ احمدیہ کے سالانہ جلسہ ۱۹۶۲ء کے موقعہ پر محترم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل نے "نزولِ مسیحؑ" کے اہم موضوع پر تقریر فرمائی تھی۔ یہ موضوع یہودی، عیسائی اور مسلمان ہر ایک کے لئے اہمیت کا حامل ہے۔ احمدیت کے نقطہ نگاہ سے اس موضوع پر یہ تقریر امید ہے کہ قارئین کی دلچسپی کا موجب ہوگی۔ والسلام

ناظر اصلاح و ارشاد ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

نزولِ مسیحؑ

احبابِ کرام! میری تقریر کا موضوع "نزولِ مسیحؑ" ہے۔ یہ مضمون تحریکِ احمدیت کے نقطۂ نگاہ سے اہم ترین مضمون ہے اور سلسلۂ احمدیہ کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ تحریکِ احمدیت حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے اس دعویٰ پر مبنی ہے کہ آپ اُمتِ محمدیّہ کے مسیح موعود ہیں اور اس دعویٰ کی مؤیّد وہ پیشگوئی ہے جو احادیثِ نبویّہ میں نزول المسیح کے متعلق صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اُمّتی ابن مریم کو امت کا امام قرار دیا گیا ہے۔ گو اجتہادی غلطی سے کئی علمائے سابقین اس پیشگوئی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصالتاً دوبارہ نزول سے متعلق سمجھتے ہوئے یہ لکھتے چلے آئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاکی جسم کے ساتھ کھانے پینے اور دیگر حوائجِ بشری کے بغیر غیر متغیر حالت میں آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور وہی آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے۔

حضرت مرزا غلام احمد بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی تحقیق اس بارہ

میں یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام از روئے آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویّہ
تمام دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح وفات پا چکے ہیں۔ اور
حدیثِ معراجِ نبویؐ سے بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اپنی خالہ کے بیٹے یحییٰ علیہ السلام کے
ساتھ دیکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ
عالمِ برزخ میں رہنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ وہ بھی وفات پا کر
عالمِ برزخ میں پہنچ چکے ہیں۔ اور احادیثِ نبویّہ میں نزولِ ابنِ مریم کی جو
پیشگوئی وارد ہے اُس میں ابنِ مریم کے لئے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (صحیح بخاری)
اور فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ (صحیح مسلم) کے الفاظ کہ وہ ابنِ مریم تم میں سے تمہارا
امام ہوگا زبانِ مبارک نبویؐ سے اِس بات کی روشن دلیل ہیں کہ یہ ابن مریم
امّتِ محمدیہ کا ہی ایک فرد ہے جسے امّتِ محمدیہ کا امت میں سے امام قرار
دیا گیا ہے۔ اور اِس موعود کو ابن مریم کا نام محض مجاز اور استعارہ کے
طور پر دیا گیا ہے جس سے یہ مراد ہے کہ یہ موعود حضرت المسیح عیسےٰ
ابن مریم علیہ السلام کے رنگ میں آئیگا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثیل
اور بروز ہوگا۔

قرآن مجید کی سورۃ ہود میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ
وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰی اِمَامًا وَّ رَحْمَۃً ۔ (ہود رکوع ۲)

ترجمہ:۔ کیا جو شخص اپنے ربّ کی طرف سے کھلی دلیل پر ہے

(یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے پیچھے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک
عظیم الشان گواہ آتا ہے اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب امام اور
رحمت ہے (کیا وہ شخص جھوٹا ہو سکتا ہے)

اِس آیت میں زمانۂ حال ماضی اور مستقبل کو علی الترتیب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی صداقت پر گواہ ٹھہرایا گیا ہے۔ زمانۂ
حال کی شہادت میں خود قرآن مجید کو بطور بیّنہ اور دلیل کے پیش کیا
گیا ہے۔ اور زمانۂ مستقبل میں آپ کی سچائی کے ثبوت کے لئے خدا تعالیٰ
کی طرف سے آپ کے بعد ایک عظیم الشان گواہ کے بھیجا جانے کی خبر
دی گئی ہے۔ اور زمانہ ماضی کی شہادت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام
کی کتاب تورات کو پیش کیا گیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
بارے میں صریح پیشگوئیاں موجود ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
وجودِ باجود میں پوری ہو چکی ہیں۔ اور قرآن مجید نے اس بارہ میں خود بیان
فرما دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی النّبیّ الامّی ہیں جن
کا ذکر تورات و انجیل میں موجود ہے اور آپ ہی موسیٰؑ کی مانند ایک نبی
کے ظاہر ہونے کی پیشگوئی کا جو تورات میں مذکور ہے مصداق ہیں (استثناء ۱۸/۱۸)

اِس آیت میں یَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ کی پیشگوئی کا تعلق امّتِ محمدیہ
کے مسیح موعود سے ہی ہو سکتا ہے جو آخری زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور
حَکَم عدل مبعوث ہونے والا تھا۔ یَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ کی یہ پیشگوئی

ہمارے نزدیک حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود میں پوری ہو چکی ہے۔

دعویٰ کی بنیاد

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی بنیاد قرآن مجید اور آپ کے اپنے الہامات پر ہے اور احادیث نبویہ اس کی مؤید ہیں۔ اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو الہامات ہوئے وہ یہ ہیں۔

الہام اوّل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"مسیح ابنِ مریم فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔ وَكَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا وَاَنْتَ مَعِيَ وَاَنْتَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۵۶۱، ۵۶۲، تذکرہ صفحہ ۱۹۱)

دوسرا الہام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"میں تجھے زمین کے کناروں تک شہرت دونگا۔ اور تیرا ذکر بلند کروں گا۔ اور تیری محبت دلوں میں ڈال دونگا۔ جَعَلْنٰكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ (یعنی ہم نے تجھے مسیح ابن مریم بنا دیا ہے) ان کو کہہ دے کہ میں عیسیٰؑ کے قدم پر آیا ہوں۔"

(ازالہ اوہام صفحہ ۶۳۴ و تذکرہ صفحہ ۱۹۱)

الہام سوم یہ ہے:۔

"ثُمَّ اَحْيَيْنٰكَ بَعْدَ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى

وَجَعَلْنٰكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ۔" (تذکرہ)

یعنی ہم نے تجھے پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد زندگی دی ہے اور تجھے مسیح ابن مریم بنایا ہے۔

ان الہامات کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور وعدہ کے موافق حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کو مسیح ابن مریم بنا کر بھیجا گیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدم پر آئے ہیں اور اُن کے رنگ میں رنگین ہیں۔ گویا ان الہامات نے نزول المسیح کی پیشگوئی کو حل کر دیا ہے۔ اور اس بارہ میں یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب حضرت مسیح ابن مریم کے مثیل اور بروز ہیں۔ کیونکہ جو شخص کسی کے قدم پر آئے اور اس کے رنگ میں ہو کر آئے وہ اُس کا مثیل اور بروز ہی ہوتا ہے۔

احباب کرام! ان الہامات سے ظاہر ہو گیا ہے کہ ان میں آپ کو مجاز اور استعارہ کے طور پر ابن مریم قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ جب حقیقی ابنِ مریم وفات پا چکے ہیں اور اس وجہ سے ان کا اصالتاً دوبارہ آنا محال ہے لہذا ان کی دوبارہ آمد کا محال ہونا پیشگوئی میں ابن مریم کے نزول کو مجاز اور استعارہ ثابت کرنے کے لئے قطعی قرینہ ہے۔

استعارہ اور تشبیہہ میں فرق

استعارہ بھی مجاز کی ایک قسم ہوتا ہے۔ مجاز کی ایک قسم سادہ تشبیہہ ہے۔ جیسے زَيْدٌ كَالْاَسَدِ یعنی زید شیر کی مانند ہے

اس قسمِ مجاز میں زید مشبّہ ہے یعنی اسے شیر سے مشابہت دی گئی ہے
اور اسد (شیر) مشبّہ بہ ہے جس سے زید کو تشبیہ دی گئی ہے اور
کَ (بمعنی مانند) حرفِ تشبیہ ہے۔ مجاز کی ایسی قسم جس میں مشبّہ
اور مشبہ بہ اور حرفِ تشبیہ تینوں مذکور ہوں، سادہ تشبیہ کہلاتی
ہے۔ لیکن مجاز میں اگر مشبّہ (مثلاً زید) کا ذکر نہ ہو اور حرفِ تشبیہ
بھی موجود نہ ہو بلکہ صرف مشبّہ بہ اسد (شیر) کا ذکر کرکے اُس سے مشبّہ
یعنی زید مراد لیا جائے اور کوئی قرینہ لفظیہ یا قرینہ حالیہ کلام میں اسد کے
مجازی معنوں کے لئے قائم ہو تو ایسی مخصوص صورت کی تشبیہ کو استعارہ
کہتے ہیں۔ جیسے مَیں اگر زید کو شیر سے بطور استعارہ تشبیہ دینا چاہوں
تو کہوں کہ "ہمارا شیر غسلخانہ میں غسل کر رہا ہے"۔ اس فقرہ میں نہ زید
(مشبّہ) کا ذکر لفظاً کیا گیا ہے اور نہ ہی حرفِ تشبیہ استعمال کیا گیا
ہے۔ بلکہ قرینہ سے زید کا شیر ہونا مراد لیا گیا ہے۔ اور بوجہ استعارہ
زید کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ شیر ہی ہے۔ اس مثال سے
ظاہر ہے کہ استعارہ کی صورت میں زید کے لئے اس فقرہ میں بہادری میں کمال
رکھنے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اسجگہ الفاظ "غسلخانہ میں غسل کر رہا ہے" اس بات
کے لئے قرینہ ہے کہ شیر سے مراد کوئی انسان ہے اور استعارہ کی بناء
پر اس کے لئے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ بہادری میں شیر سے کوئی معمولی
مشابہت نہیں رکھتا بلکہ کامل مشابہت رکھتا ہے۔ خالی تشبیہ میں مشابہت
تو ضرور مقصود ہوتی ہے مگر اس میں کمال کا ادّعا نہیں ہوتا۔

احادیث میں مثیل کا لفظ استعمال نہ کرنے کی وجہ

پس اسجگہ یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ اگر نزولِ ابن مریم کی پیشگوئی
میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کا اصالتاً آنا مراد نہیں تھا تو کیوں پیشگوئی میں
مثیلِ ابنِ مریم کے الفاظ نہیں رکھے گئے۔ بلکہ صرف "ابنِ مریم" کے نزول کے
الفاظ رکھے گئے ہیں؟ یہ سوال اس لئے پیدا نہیں ہو سکتا کہ استعارہ کی
زبان میں حرفِ تشبیہ جیسے "مثیل" اور "مانند" وغیرہ بالکل استعمال نہیں
ہوتے۔ دیکھیئے قرآن مجید میں آتا ہے مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ
فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا۔ یعنی جو شخص اس دنیا میں اندھا
ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا۔ اور راستہ سے بہت بھٹکا ہُوا ہو گا۔
اس آیت میں اَعْمٰی (اندھا) سے مراد روحانی بصیرت سے محروم انسان ہے
جسے ظاہری اَعْمٰی (نابینا) سے بطور استعارہ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور
اَعْمٰی کو استعارہ قرار دینے کے لئے حرفِ تشبیہ ترک کر دیا گیا ہے۔
اور اَضَلُّ سَبِیْلًا (راستہ سے بہت بھٹکا ہُوا) کے الفاظ اَعْمٰی کے لفظ
کے استعارہ کے طور پر استعمال ہونے کے لئے بطور قرینہ لائے گئے ہیں۔

اقسامِ قرائن

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ استعارہ میں دو قسم
کے قرائن ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ استعارہ میں
کوئی لفظی قرینہ قائم کیا جاتا ہے۔ جیسے "ہمارا شیر غسلخانہ میں غسل کر رہا ہے"۔
کے استعارہ میں "غسل خانہ میں غسل کر رہا ہے" استعارہ کو ظاہر کرنے کیلئے

لفظی قرینہ ہے۔ دوم یہ کہ اگر لفظی قرینہ قائم نہ کیا جائے تو پھر استعارہ کے لئے قرینہ حالیہ کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ تا حقیقی معنے کا احتمال اُٹھ جائے اور صرف مجاز مراد لیا جا سکے۔

قرینہ حالیہ سے مراد یہ ہے کہ جس کو ہم کوئی نام بطور وصف دے رہے ہیں اس کا درحقیقت وہ نام نہ ہو۔ جیسے مَیں زید کو حاتم کا نام دوں تو اس جگہ قرینہ حالیہ زید کا حقیقۃً حاتم نہ ہونا ہو گا۔ اور استعارہ حاتم کے وصف سخاوت میں ہو گا نہ کہ عَلَم (ذاتی نام) میں۔ کیونکہ عَلَم اگر استعارہ کی زبان میں استعمال ہو تو اُس عَلَم کے کسی خاص وصف میں استعارہ مراد ہوتا ہے۔ پس مشبّہ کے لئے حقیقی معنیٰ کا محال ہونا قرینہ حالیہ ہوتا ہے۔ اِسی طرح اگر مَیں زید کے لئے جو سامنے سے آ رہا ہو کہوں "وہ دیکھو! ہمارا شیر آ رہا ہے"۔ تو چونکہ سامنے سے آنے والے زید کا حقیقت میں شیر ہونا امر محال ہے۔ اس لئے اس بات کا محال ہونا استعارہ کے لئے قرینہ حالیہ ہو گا۔

"ابن مریم" کے نزول کی پیشگوئی میں قرائن

احباب کرام! حدیثوں میں "ابن مریم" کے نزول کی جو پیشگوئی ہے اُس میں استعارہ کے لئے دونوں قسم کے قرائن موجود ہیں جو اِس پیشگوئی کے استعارہ پر مشتمل ہونے کے لئے قطعی دلیل ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

(۱) "كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ"

(صحیح بخاری)

نیز فرماتے ہیں:۔

(۲) "كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ"۔

(صحیح مسلم)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّت کو فرماتے ہیں تم کیسے ہو گے جب "ابن مریم" تم میں نازل ہو گا اور وہ تم میں سے تمہارا امام ہو گا۔ اس جگہ اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ یا فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ (تم میں سے تمہارا امام ہو گا) اِس بات کے لئے لفظی قرینہ ہیں کہ پیشگوئی میں "ابن مریم" سے مراد اسرائیلی مسیح ابن مریم نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مسیح موعود اُمّتِ محمّدیہ کا ہی ایک فرد ہے جو ابنِ مریم اسرائیلی کے رنگ میں رنگین اور اُس کا مثیل ہونے والا تھا۔ اِس کے علاوہ قرینہ حالیہ بھی اس جگہ موجود ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طبعی وفات پا جانے کے متعلق قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے دلائل ہیں کیونکہ وفات یافتہ کا اصالتاً نزول محال ہے۔ جیسا کہ مَیں آگے چل کر بیان کروں گا۔

پیشگوئیوں کا طریق

احباب کرام! انبیاء کی پیشگوئیوں کے متعلق عام طریق یہ ہے کہ وہ عموماً تمثیلی زبان میں ہوتی ہیں بالخصوص احادیثِ نبویہ کی وہ پیشگوئیاں

جو وحیٔ خفی کے ماتحت ہوتی ہیں۔ لیکن پیشگوئیاں اگر وحیٔ جلی میں بھی مذکور ہوں تب بھی اُن میں ضرور کچھ نہ کچھ اخفاء کا پہلو رکھا جاتا ہے کیونکہ ایمان بالغیب کے لئے آزمائش اور امتحان کا پایا جانا ضروری ہے۔ امتحان کے بغیر ایمان کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ دیکھئے اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام سچ مچ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے دمشق کے مشرق میں سفید منارہ کے پاس آسمان سے اُتر آئیں اور لوگ انہیں بایں ہیئت آسمان سے اُترتا دیکھیں تو پھر امتحان اور آزمائش جو ایمان کے لئے ضروری ہے مفقود ہو جانے سے اُن پر ایمان لانے میں کیا کمال ہوگا؟ پس پیشگوئیاں تمثیلی زبان میں ہوتی ہیں اور تعبیر طلب ہوتی ہیں۔ اور اُن میں ضرور اخفاء اور پردہ رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ ایمان کا سارا حُسن دراصل ایمان بالغیب میں ہی ہے۔ واشگاف طور پر پردہ کا اُٹھا دینا سنّتِ الٰہیہ کے خلاف ہے۔

مامور کے زمانہ میں امتحان

پس جب بھی خدا تعالیٰ کا مامور آتا ہے تو اُس وقت قوم کو ایک امتحان درپیش ہوتا ہے۔ یُوں سمجھیئے کہ ساری قوم کو امتحان کا ایک پرچہ دیا جانے والا ہوتا ہے۔ اور مامور من اللہ لوگوں کو ان اہم سوالات کا جواب سمجھاتا ہے جو امتحان میں رکھے جانے والے ہوتے ہیں۔ اِس پر جو لوگ مامور من اللہ کو اُستاد مان کر اس کی طرف سے

سکھائے گئے جوابات کو درست سمجھ کر اُس کے مطابق اپنا پرچہ حل کر لیتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے حضور کامیاب سمجھے جاتے ہیں۔ اور جو لوگ مامور من اللہ کے جوابات کے مطابق پرچہ حل نہیں کرتے وہ ناکام رہ جاتے ہیں۔
یاد رہے کہ کبھی کوئی مامور من اللہ دنیا میں ایسا نہیں آیا جس کے موافق یا مخالف دلائل موجود نہ ہوں کیونکہ کسی مامور من اللہ کے متعلق بھی سابق پیشگوئیاں ایسی صاف اور واضح نہیں ہوتیں کہ اُن میں آزمائش بالکل مفقود ہو جائے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وقت امتحان

دیکھئے آج سے قریباً دو ہزار سال پہلے جب حضرت عیسٰی علیہ السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے موعود مسیح کے طور پر مبعوث ہوئے تو یہودی اس وقت اپنے انبیاء کی سابقہ پیشگوئیوں کی بنا پر یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اُن کے موعود مسیح کو خدا تعالیٰ اُس کے باپ داؤد کا تخت دے گا۔ پھر ایک پیشگوئی تھی کہ اُن کے مسیح موعود سے پہلے ایلیا (الیاس نبی) کا دوبارہ دنیا میں آنا ضروری ہے۔ چنانچہ ملاکی ۴/۵ میں لکھا تھا کہ "دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پہلے مَیں ایلیا کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔" اور الیاس کے متعلق سلاطین کی کتاب ۲ میں لکھا تھا کہ وہ ایک رتھ میں بیٹھے ہوئے بگولے کے ذریعہ آسمان پر چلا گیا ہے (دیکھو ۲ سلاطین ۲/۱۱) ملاکی نبی کی پیشگوئی کے مطابق یہودی ایلیاہ کا ہولناک دن آنے سے پہلے (یعنی مسیح کے آنے سے پہلے) آنا

ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعوئی نبوت کیا اور ظاہر کیا کہ مَیں اسرائیل کے لئے مسیح موعود ہوں اور یہودیوں کا بادشاہ ہوں تو چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بظاہر بادشاہ نہیں تھے بلکہ مسکینی کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لئے یہودیوں نے آپ کے مسیح موعود ہونے سے انکار کر دیا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود میں انہیں ظاہری طور پر بادشاہت ملنے کی وہ اُمید پُوری ہوتی نظر نہ آئی جو اُمید وہ صدیوں سے لگائے بیٹھے تھے۔

اُن کی طرف سے حضرت مسیح ابن مریم پر یہ سوال بھی ہُوا کہ اگر یسوع اسرائیلیوں کا مسیح موعود ہے تو پھر ایلیا کہاں ہے؟ جب حضرت مسیح ابن مریم کے سامنے یہ سوال پیش ہُوا تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ایلیاہ تو آچکا اور لوگوں نے اسے نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس سے کیا۔ اِس سے حواری جان گئے کہ ایلیا سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یوحنّا یعنی حضرت یحییٰؑ ہیں جو اُن کے نزدیک ایلیا کی رُوح اور قوت میں آئے ہیں۔ (متی ۱۱/۱۴ ، متی ۱۷/۱۰تا۱۳)

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس تاویلی جواب کو درست نہ سمجھا۔ اور پیشگوئی کے ظاہر لفظ ایلیا پر اَڑ کر اس کے اصالتاً آنے کے قائل رہے۔ اِس طرح وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تاویلی معنے نہ ماننے کی وجہ سے امتحان میں فیل ہو گئے۔ پھر حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام سے پُوچھا گیا کہ کیا تم یہودیوں کے بادشاہ ہو؟ حضرت مسیح علیہ السلام

نے اس کا یہ جواب دیا کہ میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں اور اس طرح بتایا کہ میری بادشاہت آسمانی اور رُوحانی ہے نہ کہ زمینی بادشاہت۔ یہودیوں نے مسیح کی بادشاہت سے متعلقہ پیشگوئی کی اس تعبیر کو بھی قبول نہ کیا۔ اور اکثر اُن میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے اِس وجہ سے محروم رہ گئے کہ یسوع داؤد علیہ السلام کی طرح تخت سلطنت پر نہیں بیٹھا۔

اس کے بالمقابل عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دونوں جوابوں کو درست سمجھا اور ان کی تاویلات کو قبول کر لیا۔ اور اپنے زمانہ کے امتحان میں کامیاب ہو گئے اور حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیوں میں اخفاء

ہمارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی تورات و انجیل میں پیشگوئیاں موجود تھیں مگر اُن میں بھی آزمائش اور امتحان رکھا گیا تھا۔ اگر وہ ایسی ہوتیں کہ اُن کے کوئی غلط معنے نہ لئے جا سکتے تو یہودی اور عیسائی علماء آپؐ کا انکار کیوں کرتے۔

پس پیشگوئیوں میں ضرور بعض اسرار مخفی ہوتے ہیں تاکہ قوم کی آزمائش ہو سکے تا وہ امتحان کے بعد ایمان لانے پر ثواب کی مستحق ہو۔ پیشگوئیوں میں ایمان بالغیب کی خاطر اخفاء کا پردہ ضرور ہوتا ہے۔ ہاں پیشگوئی کے ظہور سے پہلے تو صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ مامور من اللہ جس کے متعلق پیشگوئی ہوتی ہے۔

وہ مبعوث ہو کر خدا تعالیٰ کے الہام سے یا اپنے اجتہاد کے ذریعہ اُن پیشگوئیوں کا صحیح حل پیش کر دیتا ہے۔ جو لوگ اس حل کو معقول اور درست سمجھ کر اس مامور من اللہ پر ایمان لے آتے ہیں وہ امتحان میں پاس ہو جاتے ہیں۔ مگر جو لوگ مامور من اللہ کے پیش کردہ حل کو درست نہیں سمجھتے وہ پیشگوئیوں کے بعض ظاہری الفاظ پر اَڑ بیٹھتے ہیں اور امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں اور اس طرح مامور من اللہ پر ایمان لانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ہاں اگر مامور من اللہ کے اس حل کی کوئی نظیر بھی پہلے سے موجود ہو پھر وہ حل سونے پر سہاگے کا کام دیتا ہے اور ایمان لانے کی راہ میں اس سے آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فیصلہ

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فیصلہ کہ یوحنّا نبی ہی ایلیا ہے۔ اور ایلیا کی آمد کی جو پیشگوئی تھی وہ یوحنّا کے وجود میں پوری ہو گئی ہے۔ یہی فیصلہ اسلام کے زمانہ میں "نزول مسیح" سے متعلقہ پیشگوئی کو حل کر دیتا ہے۔ اور انجیل کی اس پیشگوئی کو بھی حل کر دیتا ہے جسے عیسائی حضرت مسیح کی آمد ثانی سے متعلق سمجھتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کبھی کوئی پہلا نبی آسمان سے اصالتاً نہیں اُترا۔ لہٰذا جس طرح ایلیا کی آمد کی پیشگوئی یوحنّا کے وجود میں پوری ہوئی تھی کیونکہ یوحنّا ایلیا کی رُوح اور قوت میں آیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قطعی فیصلہ ہے کہ یوحنّا ہی خدا کے نزدیک ایلیا ہے اِسی طرح "ابن مریم" کے نزول

کی جو پیشگوئیاں احادیث نبویہ میں مذکور ہیں یا مسیح کی آمد کی جو پیشگوئی انجیل میں مذکور ہے وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے وجود میں پوری ہو گئی ہیں۔ کیونکہ آپ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثیل اور بروز ہو کر آئے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے الہامات نے اس بارہ میں فیصلہ دیدیا ہے کہ آپ مسیح ابنِ مریم کے قدم پر اور اُن کے رنگ میں ہو کر آئے ہیں۔

نزول کی حقیقت

پیشگوئیوں میں "ابن مریم" کے نزول کی خبر میں "نزول" کے لفظ سے اہل علم کو کوئی غلطی نہیں لگنی چاہیئے۔ بے شک نزول کے لغوی معنے نیچے اترنا ہیں مگر محاورۂ زبانِ عربی میں یہ لفظ کسی معزز آدمی کی آمد و ظہور کے لئے بطور اعزاز و اکرام استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے سرورِ کائنات فخرِ موجودات سید ولد آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں قرآن مجید میں فرمایا ہے:-

"قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ" (سورۃ طلاق ع ۲)

یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بہت بلند شان والے رسول کو نازل کیا ہے جو تم پر خدا تعالیٰ کی روشن اور واضح آیات پڑھتا

ہے تاکہ ایمان لانیوالوں کو ظلمتوں سے نکال کر نُور کی طرف لے آئے۔
اِس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اَنْزَلَ اللّٰہُ کے الفاظ اعزاز و اکرام اور تائیدات و علوم سماویہ کے ساتھ آنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

کسرِ صلیب اور قتلِ خنزیر کی مودودی تفسیر

جن حدیثوں میں "ابن مریم" کے نزول کی خبر دی گئی ہے۔ ان میں مسیح موعود کا کام کسرِ صلیب اور قتلِ خنزیر بتایا گیا ہے۔ پیشگوئی کے یہ الفاظ بھی بطور استعارہ کے ہیں۔ چنانچہ مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنے رسالہ "ختم نبوت" میں اِن کاموں کی یہ تاویل کی ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونگے تو سب عیسائی انہیں مان لیں گے گویا کسرِ صلیب ہو جائیگی۔ اور پھر عیسائی اُن کی ہدایت پر سؤر کھانا چھوڑ دیں گے اِس طرح قتلِ خنزیر ہو جائے گا۔

پس اگر سؤروں کا اس طرح قتل سے بچایا جانا یَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ (وہ خنزیر کو قتل کریگا) کی تاویل ہو سکتی ہے اور عیسائیوں کا ایمان لے آنا کسرِ صلیب ہے اور حدیثِ نبویؐ کا یہ حصہ جناب مودودی صاحب نے بھی تمثیلی تسلیم کر لیا ہے تو پھر اُن کے لئے "ابن مریم" کا لفظ جو اِن حدیثوں میں وارد ہے بطور استعارہ مان لینے میں کیا مشکل ہے جبکہ خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اپنے الہامات کے ذریعہ یہ امر کھول دیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت ہو چکے ہیں۔ اور آپ

"ابن مریم" کے رنگ میں ہو کر آئے ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے قدم پر ہیں۔ گویا آپ کو الہامات میں حضرت مسیح ابن مریم کا مثیل قرار دیا گیا ہے اور جَعَلْنٰکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ کہہ کر واضح کر دیا گیا ہے کہ حدیث نبویہؐ کی نزولِ ابن مریم کی پیشگوئی آپ کے وجود میں پوری ہو گئی ہے۔

ایک بادشاہ اور نجومی کا قصّہ

ایک بادشاہ کا ذکر ہے کہ اُس نے اپنا ایک لڑکا ایک ماہر نجومی کے پاس علمِ نجوم کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے بھیجا۔ جب وہ لڑکا تعلیم پاکر فارغ ہو گیا تو نجومی نے اُسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ میں اب اس کی تعلیم سے فارغ ہو چکا ہوں۔ میں نے اِسے علمِ نجوم کی تمام ضروری تعلیم دے دی ہے۔ بادشاہ نے امتحان کے طور پر ایک چیز اپنی مٹھی میں رکھ کر لڑکے سے پوچھا۔ بیٹا! بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ لڑکے نے اپنے علم کی رو سے جواب دیا کہ کوئی گول گول چیز ہے۔ اِس پر بادشاہ نے پوچھا۔ اِس کے متعلق کچھ اور بتاؤ؟ اُس نے کہا۔ جناب پتھر کی قسم کی کوئی چیز ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ بیٹا! کچھ اور تفصیل بتاؤ۔ لڑکے نے کہا۔ اُس کے درمیان سوراخ بھی ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ ذرا اور وضاحت کرو۔ تو لڑکے نے جواب دیا۔ جناب یہ چکّی کا پاٹ ہے۔ بادشاہ یہ جواب سُن کر حیران رہ گیا۔ دراصل بادشاہ کے ہاتھ میں ایک قیمتی موتی تھا جس کے درمیان سوراخ تھا۔ نجومی نے کہا۔

جناب! مَیں نے اِسے سارا علم پڑھا دیا ہے۔ اور اِس نے اِس موتی کے متعلق کئی باتیں آپ کو صحیح بتائی ہیں۔ مگر جہاں کچھ فکر کا دخل تھا اس میں یہ غلطی کر گیا ہے۔ گویا اس کا اجتہاد ناقص ہے۔ اِسی طرح پیشگوئیوں کی تاویل میں اجتہادی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ حدیثوں کی پیشگوئیاں تو صحیح ہیں مگر اُن کی تعبیر میں بعض اوقات علماء اپنے اجتہاد میں غلطی کھا جاتے ہیں جس طرح بادشاہ کے اس نجومی لڑکے نے اجتہاد کے موقعہ پر غلطی کھائی۔

چونکہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات پر قطعی گواہ ہیں۔ اِس لئے جس شخص پر بعد از غور و فکر یہ حقیقت کُھل جائے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام وفات پا چکے ہیں وہ تو "ابن مریم" کے نزول کے متعلق پیشگوئیوں کی وہی تعبیر درست قرار دے سکتا ہے جو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے۔ پس ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوٰی کی صداقت معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے اس بات کو حل کیا جائے کہ آیا حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام وفات پا گئے ہیں یا وہ اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ اُٹھائے گئے ہیں۔

حیاتِ مسیح کے قائلین کے برخلاف مسلمانوں میں سے ایک گروہ پہلے سے اِس بات کو مانتا چلا آیا ہے کہ نزولِ مسیح کی پیشگوئی جو احادیثِ نبویہ میں بیان ہوئی ہے وہ امام مہدی کے وجود میں پوری ہوگی اور

امام مہدی علیہ السلام بموجب حدیث لا مھدی الّا عیسٰی (ابن ماجہ) عیسٰی علیہ السلام کے بروز ہونگے۔ چنانچہ اقتباس الانوار صفحہ ۱۵۲ پر لکھا ہے:۔

"بعضے برآنند کہ رُوحِ عیسٰی در مہدی بروز کند و از نزول عبارت ہمیں بروز است مطابق ایں حدیث لا مھدی الّا عیسٰی۔"

یعنی بعض کا یہ مذہب ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کی رُوح یعنی روحانیت مہدی میں بروز کرے گی اور نزول (ابن مریم) سے مراد یہی بروز ہے اور یہ امر حدیث لا مھدی الّا عیسٰی کے مطابق ہے۔

وفاتِ مسیحؑ

مَیں بتا چکا ہوں کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی وفات ثابت ہو جانے کے بعد اُن کا اصالتاً نزول محال قرار پاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا قانونِ مستمر جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے یہی ہے کہ جو لوگ وفات پا جائیں وہ اِس دنیا میں واپس نہیں آسکتے۔

وفاتِ مسیحؑ کا ثبوت از قرآن مجید

قرآن مجید سے یہ امر آفتابِ نصف النہار کی طرح ثابت ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اور اب وہ قیامت کے

دن تک دوبارہ قوم میں واپس نہیں آئیں گے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ کے
آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال
ہوگا یعنی قیامت کے دن پوچھا جائیگا۔

"ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ؟"

کہ کیا اے عیسیٰ ابن مریم۔ تُو نے اِن لوگوں سے کہا تھا کہ
مجھے اور میری ماں کو دو معبود مانو؟ (جیساکہ رومن کیتھولک
عیسائیوں کا مذہب ہے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب میں کہیں گے:۔

"سُبْحَانَكَ مَا يَكُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِیْ بِحَقٍّ
اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ
وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ.
مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِهٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ۔"

یعنی اے خدا: تو اس عیب سے پاک ہے کہ کوئی تیرا شریک ہو
اور تیرے علاوہ عبادت کیا جانیکا مستحق ہو اور میری شان کے خلاف
تھا کہ میں انہیں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر
میں نے انہیں ایسی بات کہی ہے تو تُو جانتا ہے۔ تو میرے
نفس کی بات کو جانتا ہے اور میں تیرے نفس کی بات نہیں جانتا

بے شک تُو غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔ میں نے اُنہیں
وہی بات کہی تھی جسکا تُو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی
عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔

اِس بیان سے حضرت مسیح علیہ السلام کی بظاہر پُوری برأت نظر آتی
ہے۔ مگر ایک پہلو ابھی باقی تھا۔ یعنی اگر یہ سوال ہو کہ اچھا تم نے
تو یہ تعلیم نہ دی۔ مگر یہ بتاؤ کہ تمہاری موجودگی میں اگر یہ عقیدہ پیدا
ہوًا تو کیا تم نے انہیں ایسا عقیدہ اختیار کرنے سے منع بھی کیا
تھا یا نہیں؟ اگر منع نہیں کیا تھا تو تب بھی تم مورد الزام ہو۔ اِس
متوقع سوال کے جواب میں حضرت مسیح علیہ السلام اوپر کے جواب کے
بعد کہیں گے:۔

"وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا
تَوَفَّيْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔"

یعنی جب تک میں اُن لوگوں میں موجود رہا۔ میں ان لوگوں کا
نگران رہا۔ پس جب (اے خدا) تُو نے مجھے وفات دے دی
تو اُن پر تُو ہی نگران تھا۔ یعنی وفات کے بعد تو مجھے پھر
اُن کی نگرانی کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ لہذا مجھ پر اُن کے بگاڑ
کی کوئی ذمہ واری عائد نہیں ہوتی۔

كُنْتَ اَنْتَ میں ضمیر انت کا دو دفعہ آنا تاکید للحصر کا فائدہ
دے رہا ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے میری وفات کے

بعد تُو ہی نگران تھا تو مجھے اُن کے بگاڑ مُشاہداتی علم کیسے ہو سکتا ہے؟

قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جواب سے ظاہر ہے کہ اُن کی قوم میں بگاڑ اُن کی توفّی یا وفات کے بعد ہوا ہے۔ اور وفات کے ساتھ ہی وہ قوم کو خدا کی نگرانی میں چھوڑ گئے۔ اور پھر قیامت کے دن تک انہیں قوم میں دوبارہ آکر اصلاح کرنے کا موقع ہی نہیں ملا ہوگا۔ اور اپنی قوم کے بگاڑ کے متعلق انہیں کوئی مشاہداتی علم نہیں ہوگا۔

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توفّی کے بعد اصالتًا قوم میں دوبارہ آکر اصلاح کرنے کا موقعہ ملے تو پھر وہ خدا کے حضور یہ نہیں کہہ سکتے کہ میری توفّی کے بعد اُن کا تو ہی نگران تھا۔ بلکہ اس کی بجائے یہ جواب دیتے کہ جب تُو نے مجھے دوبارہ دنیا میں بھیجا تو مَیں نے اُن کی اِصلاح کی۔ اُن میں توحید کا عقیدہ بھی قائم کر دیا اور اُن کے صلیبی عقیدہ کو بھی پاش پاش کر دیا۔ اُن کی دوبارہ آمد کی صورت میں تو اُن کا فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے بعد كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کہنا جھوٹ بن جاتا ہے کہ مجھے پھر اُن کی نگرانی کا موقعہ نہیں ملا۔ لہٰذا اُن کے بگاڑ کے متعلق مَیں مشاہداتی علم نہیں رکھتا۔ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ تو اِسی بات کو مستلزم ہیں کہ آپ کو قیامت کے دن تک قوم میں دوبارہ آنے کا موقعہ ہی نہیں مِلا ہو گا۔ خدا تعالےٰ کے انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ وہ اپنی براءت میں کوئی جھوٹا بیان نہیں دے سکتے۔ پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم میں دوبارہ آئے ہوں تو اُن کا كُنْتَ اَنْتَ

الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کہنا جھوٹ بن جاتا ہے۔ اس صورت میں اُن کی طرف سے یوں واقعاتی شہادت پیش کی جاتی جس سے اُن کی کامل براءت ہو جاتی کہ جب قوم میں دوبارہ واپس جانے پر مَیں نے انہیں بگڑا ہُوا پایا اور اُن کی اصلاح کی تو پھر مجھ پر یہ الزام کیسے عائد ہو سکتا ہے کہ مَیں نے انہیں کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود مانو؟

حیاتِ مسیحؑ کے قائلین کی تاویل

وہ لوگ جو حیاتِ مسیحؑ کے قائل ہیں انہوں نے اس آیت کے الفاظ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کی یہ تاویل کی ہے کہ توفّی سے اِس جگہ زندہ کا مع رُوح و جسم پورے کا پورا لے لینا مراد ہے۔ چنانچہ مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن جلد اوّل میں اس کے معنے "جب تُو نے مجھے واپس بلا لیا" کئے ہیں اور مراد یہ لی ہے کہ یہودیوں کی اُن سے بدسلوکی اور اُن کے قتل کے درپے ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ناراض ہو کر انہیں اپنے منصب سے ہٹا کر واپس بلا لیا۔

مگر اس قسم کے اصحاب نے غور نہیں فرمایا کہ یہ سوال و جواب جب اللہ تعالےٰ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے درمیان قیامت کے دن ہو گا تو اگر توفّی کے معنے اس جگہ موت کے نہیں بلکہ زندہ واپس لے لینے کے ہیں تو پھر از روئے آیت ہٰذا وہ قیامت کے دن تک زندہ ہی رہیں گے کیونکہ اِس توفّی کا دامن قیامت تک ممتد ہے۔ اور اس سے واپسی پر

دوبارہ قوم میں کسی کام پر مقرر ہونے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ کہہ کر انکار کر رہے ہیں۔ کیونکہ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ کے الفاظ ان کی عدم واپسی اور قوم کی حالت سے قیامت کے دن تک ذاتی علم کے لحاظ سے ناواقفی پر دلالت کر رہے ہیں۔ اگر مودودی صاحب کے معنے لئے جائیں تو پھر تو وہ قیامت تک زندہ ہی رہیں گے اور خدا تعالیٰ کے قانون کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ سے بچے رہیں گے۔ کیونکہ خدا کی طرف مفروض واپسی والی توفّی کے بعد اُن کی قوم میں دوبارہ واپسی کا ذکر موجود نہیں بلکہ اس کے برخلاف کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ میں اُن کی عدم واپسی کا اظہار کیا گیا ہے۔ پس تَوَفَّیْتَنِیْ کو وفات طبعی کے معنے سے پھرانا اور اس لفظ کی اس جگہ منصب سے واپس لے لینے کی تاویل یا پورے کا پورا مع روح جسم اُٹھا لینے کے معنے لاحاصل ہیں۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہی اٹھا لئے گئے ہوں یا زندہ ہی واپس بلا لئے گئے ہوں تو اُن کی قوم میں دوبارہ واپسی کا کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ میں انکار کر دیا گیا ہے۔ جب اس جواب میں اُن کی قوم میں دوبارہ واپسی سے انکار ظاہر ہے تو انہیں کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کے قانون سے باہر رکھنے اور قیامت تک زندہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پس کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ کے الفاظ اس بات پر شاہدِ ناطق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفّی وفات کی صورت میں ہی ہوئی ہے نہ کسی اور طرح۔

حدیثِ نبوی بھی توفّی کے اس آیت میں وفات کے معنوں کی ہی مؤید ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں امام بخاری علیہ الرحمۃ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان وَکُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ کی تفسیر میں ایک حدیث نبوی لائے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن کچھ لوگ گرفتار ہونگے۔ تو میں کہوں گا۔ یہ تو میرے دوست ہیں۔ مجھے جواب دیا جائیگا اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ اِنَّہُمْ لَمْ یَزَالُوْا مُرْتَدِّیْنَ عَلٰی اَعْقَابِہِمْ مُنْذُ فَارَقْتَہُمْ یعنی بے شک اے نبی! تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد انہوں نے کیا بدعات اختیار کیں۔ یقیناً یہ لوگ جب تو ان سے جدا ہوا اپنی ایڑیوں پر واپس پھر گئے تھے۔ یعنی مرتد ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:۔

"اَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ کُنْتُ عَلَیْہِمْ شَہِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْہِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْہِمْ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ۔ اِنْ تُعَذِّبْہُمْ فَاِنَّہُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَہُمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔"

یعنی میں اُس وقت وہی کہوں گا جس طرح خدا کے نیک بندے عیسیٰ بن مریم نے کہا۔ کہ میں ان کا اُس وقت تک ہی نگران تھا

جب تک اُن میں موجود تھا۔ پس جب تُو نے مجھے وفات دیدی
تو اُن کا تُو ہی نگران تھا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اِس بیان میں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنے "وفات دے دی تو نے مجھے" کئے جاتے ہیں تو یہی معنے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بیان کے ہونگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے الفاظ میں ہی یہ بیان اپنی برأت میں دے کر اس امر پر خود روشنی ڈال دی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بیان میں بھی تَوَفَّيْتَنِيْ کے معنے "وفات دی تُو نے مجھے" ہی مراد ہیں۔ اسی تفہیم کے ماتحت امام بخاری علیہ الرحمۃ اس حدیث کو حضرت مسیح علیہ السلام کے قرآن مجید میں ذکر کردہ بیان کی تفسیر میں لائے ہیں۔

ایک سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اَقُوْلُ مَا قَالَ نہیں فرمایا۔ بلکہ اَقُوْلُ کَمَا قَالَ فرمایا ہے۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ مَیں وہ بات کہوں گا جو عیسٰی بن مریمؑ نے کہی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ مَیں اس جیسی بات یعنی اس کے لگ بھگ بات کہونگا۔ پس رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اور ہونگے اور حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے الفاظ اور ہونگے۔ دونوں کے الفاظ کا ایک ہونا اس جگہ کیسے مراد لیا جا سکتا ہے؟

الجواب:- اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معین طور پر وہ الفاظ بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ جو آپ استعمال فرمائیں گے۔ چنانچہ تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ پر بحوالہ ابن جریر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:-

"اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مَا دُمْتُ فِيْهِمْ فَاِذَا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔"

یعنی آیت اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَیں اُن لوگوں پر گواہ ہوں جب تک میں اُن میں رہا۔ جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو (اے خدا) اُن پر تو ہی نگران تھا۔

اس بیان کا حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بیان سے سوائے لفظ فَاِذَا کے لفظاً لفظاً تطابق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں فَاِذَا کا لفظ ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بیان میں فَلَمَّا کا لفظ ہے۔ اِذَا اور لَمَّا دونوں ہم معنے لفظ ہیں۔ اور حرف شرط (جب) کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس ادنے لفظی تفاوت سے اَقُوْلُ كَمَا قَالَ کے مطابق بیان لگ بھگ

بھی ہو جاتا ہے۔ اور کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَا دُمْتُ فِیْهِمْ اور تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ میں دونوں بیانوں میں لفظی تطابق بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ پس جب تَوَفَّیْتَنِیْ کے معنے "وفات دی تو نے مجھے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں لئے جاتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان میں بھی تَوَفَّیْتَنِیْ کے یہی معنے لئے جائیں گے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں اپنی وفات کو ہی الزام سے برأت کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کا تَوَفِّیْ کے متعلق انعامی چیلنج

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تحقیقات

قرآن مجید، احادیثِ نبویہ اور اہلِ عرب کے قدیم و جدید کلام کے استقراء کی بناء پر یہ ہے کہ توفّی اور اس کے مشتقات کا جب اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور کسی ذی رُوح کے لئے یہ استعمال ہوں تو اس جگہ معنے ہمیشہ قبض رُوح کے ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں توفّی کا ایسی صورت میں استعمال کبھی بھی قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں نہیں ہوا قرآن و حدیث اور اقوال عرب سے ایسی صورت میں استعمال کی کوئی مثال جس میں توفّی قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں استعمال ہوا ہو پیش کرنے والے کو آپ نے ایک ہزار روپیہ بلکہ عَلَمْ کے لئے استعمال دکھانے کی صورت میں مزید دو صد روپیہ انعام دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

مگر آج تک کوئی عالم ایسی مثال پیش نہیں کر سکا۔ پس جب لغتِ عربی میں اس شرط کے ساتھ توفّی کا لفظ ہمیشہ قبض رُوح کے معنوں میں ہی استعمال ہوتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں مُتَوَفِّیْكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں اُن میں توفّی سے مراد وفات دینا ہی ہے۔ کیونکہ محاورۂ زبان عربی میں توفّی کا قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں استعمال خدا کے فاعل اور ذی روح کے مفعول ہونے کی صورت میں پایا ہی نہیں جاتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اس لفظ کے استعمال میں قبض الروح مع الجسم کے معنے لینے کا محاورۂ زبان کے لحاظ سے حق ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس یہ معنے نئی لغت بنانا تو کہلا سکتا ہے۔ محاورۂ زبان عربی ان معنوں کا متحمّل نہیں۔

مودودی صاحب کا جواب

مولوی ابوالاعلیٰ مودودی اس چیلنج کے پیش نظر رقمطراز ہیں:۔

" بعض لوگ جن کو مسیحؑ کی طبعی موت کا حکم لگانے پر اصرار ہے سوال کرتے ہیں کہ توفّی کا لفظ قبض روح و جسم پر استعمال ہونے کی کوئی اور نظیر بھی ہے لیکن جبکہ قبض روح و جسم کا واقعہ تمام بنی نوعِ انسان کی تاریخ میں پیش ہی ایک مرتبہ آیا ہو تو اس معنی پر اس لفظ کے استعمال کی نظیر پوچھنا محض ایک بے معنے بات ہے۔ "

احبابِ کرام! سُن لیا ہے آپ نے یہ فاضل فرماتے ہیں چونکہ توفّی کا لفظ کبھی قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں ایک دفعہ کے سوا استعمال ہی نہیں ہوا یعنی صرف حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لئے ان معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ تو اس کی نظیر کہاں سے پیش کی جائے اس کی نظیر طلب کرنا تو ان کے نزدیک بے معنی بات ہے۔ مگر نظیر کے بغیر توفّی کے معنے قبض الروح مع الجسم لینا جب کہ یہ لفظ ۲۳ مرتبہ قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلقہ دو آیتوں کے علاوہ اور ساڑھے تین سو مرتبہ احادیثِ نبویہ میں صرف قبض رُوح کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے اور جب سے لغتِ عربی رائج ہے کبھی ایک دفعہ بھی خدا کے فاعل اور ذی رُوح کے مفعول ہونے کی صورت میں قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا تو محض ایک بے معنی بات وہ مطالبہ نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہے بلکہ محض ایک بے معنے بات حضرت عیسٰی علیہ السلام کیلئے اس کا قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں استعمال ہوگا۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ کا یہ مطالبہ تو ان لوگوں کا عجز ظاہر کرنے کے لئے ہے جو اس لفظ کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کیلئے قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں لیتے ہیں حالانکہ ان معنوں میں یہ لفظ کبھی عربی زبان میں استعمال ہی نہیں ہوا۔

ایک طرف تو یہ مولانا ہیں کہ انہیں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی

اور اُن کی یہ بات ہمارے نزدیک سچ ہے کہ قبض الروح مع الجسم کے معنوں میں اس کے استعمال کی کوئی مثال محاورۂ زبان میں موجود نہیں۔ نہ قرآن مجید میں نہ احادیثِ نبویہ میں اور نہ ہی اہلِ عرب کے قدیم وجدید اقوال میں۔

مگر دوسری طرف ایک اَور مولانا گجرات میں رہتے ہیں انہوں نے حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہؑ کے اس چیلنج کے مقابلہ میں ایک ۷۷ صفحے کی کتاب لکھ ماری ہے اور اس میں ۳۰ ثبوت پیش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ جن میں بقول اُن کے یہ لفظ خدا کے فاعل اور ذی رُوح کے مفعول ہونے کی صورت میں قبض رُوح کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ قبض الروح مع الجسم وغیرہ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اُنکی کتاب کا نام کیل الموفّی ہے۔ مَیں نے خدا تعالیٰ کے فضل سے امسال اس کتاب کے جواب میں ۱۶۰ صفحے کی ایک کتاب بنام

"معنی التوفّی فی جواب کیل الموفّی"

لکھی ہے۔ یہ کتاب اس بحث میں ایک علمی مضمون ہے جو انشاء اللہ جماعت کی صحیح رہنمائی کا موجب ہوگا۔ اس میں اس مولانا صاحب کے سارے ثبوتوں کا تانا بانا خدا تعالےٰ کے فضل اور اُسکی دی ہوئی توفیق سے توڑ پھوڑ دیا ہے۔ علمی ذوق رکھنے والے دوستوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

حیاتِ مسیح کے قائلین کی ایک دلیل

اسجگہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لئے قرآن مجید میں مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے الفاظ وارد ہیں جن کا مطلب حیاتِ مسیح کے قائلین یہ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ خدا تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اُٹھا لیا۔ یعنی زندہ مع جسم و رُوح کے آسمان پر اُٹھا لیا۔

دلیل کی تردید اور ایک ضروری نکتہ

واضح ہو کہ اس آیت میں بے شک یہ تو آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اپنی طرف اُٹھا لیا مگر یہ نہیں آیا کہ خدا تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اُٹھا لیا۔ اس آیت میں جسمانی رفع مراد لینے میں کئی قباحتیں ہیں جو یہ ہیں :—

۱۔ اوّل یہ کہ اِن معنوں سے خدا تعالیٰ کا محدود المکان ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ رفع جسمانی صرف ایسی دو چیزوں میں ہی متصوّر ہو سکتا ہے جو دونوں کی دونوں محدود المکان ہوں اور دونوں کے مکانوں کے درمیان ایک فاصلہ ہو۔ جو اُٹھایا جانے سے طے ہو۔ مثلاً میری یہ عینک میز پر پڑی ہے۔ مَیں اِسے اُٹھا کر آنکھوں پر لگاتا ہوں تو اس اُٹھا کر لگانے میں کئی فٹ کا فاصلہ طے ہوا ہے۔ یہ عینک بھی محدود المکان تھی۔ اور میری آنکھیں بھی محدود المکان ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ خود محدود المکان ہو۔ اور خدا کی طرف رفع جسمانی

کے معنے چونکہ خدا تعالیٰ کے محدود المکان ہونے کو چاہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا محدود المکان ہونا محال ہے لہٰذا خدا کی طرف رفع جسمانی محال ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

۲۔ دوم یہ کہ عربی زبان میں رفع الی اللہ کے معنے استعارۃً قُرب منزلت، درجہ کی بلندی یا باعزّت وفات پا کر خدا کی حضوری پانا ہی ہوتے ہیں۔ یہ قرب و حضوری فاصلہ سے تعلق نہیں رکھتی۔ درجات کی بلندی سے تعلق رکھتی ہے۔ بحوالہ ابن مردویہ بیہقی حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

"اَكْرَمَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُرِيَهٗ فِيْ اُمَّتِهٖ مَا يَكْرَهُهٗ فَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ وَبَقِيَتِ النِّقْمَةُ۔"

یعنی خدا تعالےٰ نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اعزاز کی وجہ سے رؤیا میں آپکو آپکی اُمت میں واقع ہونے والی وہ بات دکھا دی جسے آپ ناپسند کرتے تھے۔ تو (پھر) آپ کو اپنی طرف اُٹھا لیا۔ (یعنی باعزّت وفات دیدی) اور فتنہ اور عذاب باقی رہ گیا۔

اسجگہ حضرت انسؓ فَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "خدا تعالیٰ نے آپ کو باعزّت وفات دی" کے معنوں میں استعمال فرما رہے ہیں۔ اِسی طرح یہ لفظ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لئے بھی باعزّت وفات کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ یہودی آپ کو مصلوب کر کے بموجب تورات لعنتی ثابت کرنا چاہتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا

وہ آپ کو قتل نہیں کر سکے یعنی صلیب پر نہیں مار سکے بلکہ خدا تعالیٰ نے آپ کو صلیب کی لعنتی موت سے بچا کر باعزت وفات دی ہے۔

ایک نکتہ اسجگہ یہ نکتہ احباب کرام کے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ توفّی کے معنے طبعی موت کے ہوتے ہیں۔ جو باعزت بھی ہو سکتی ہے اور بے عزتی کی حالت میں بھی۔ رفع والی موت ہمیشہ باعزت موت ہوتی ہے۔ خواہ طبعی ہو یا غیر طبعی۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ سورۂ آل عمران رکوع ۵ میں فرماتا ہے۔

" مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۔"

ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ :-

" یہودیوں نے تدبیر کی (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر مارنے کا منصوبہ کیا) اور خدا نے بھی تدبیر کی (اُن کو بچانے کی) اور خدا تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اے عیسیٰ! میں تجھے طبعی موت دینے والا ہوں۔ اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں (یعنی طبعی موت بھی باعزت حالت میں دوں گا) اور تجھے کافروں کے الزاموں سے پاک کرنے والا ہوں۔ اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھنے والا ہوں۔"

اس آیت میں وَرَافِعُكَ اِلَىَّ کا وعدہ مُتَوَفِّيْكَ کے وعدہ کے بعد مذکور ہے۔ چنانچہ اس وعدہ کے مطابق خدا تعالیٰ نے آپ کو صلیبی موت سے بچا کر طبعی وفات بھی دی اور پھر باعزت طریق سے کامیابی کی حالت میں وفات دے کر اپنے حضور آپ کے مدارج بلند کر دیئے۔ اسی وعدہ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ کا ایفاء آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں مذکور ہے۔ پس اسجگہ رفع جسمانی ہرگز مقصود نہیں۔ خدا کی طرف بندے کا رفع جسمانی محال ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ہر بندے کے ساتھ ہے۔ وہ فرماتا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کہ ہم اُسکی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ پس خدا اور بندے کے درمیان کوئی فاصلہ تجویز نہیں ہو سکتا کہ اس کی طرف رفع جسمانی مراد لیا جا سکے کیونکہ رفع جسمانی مراد لینے سے خدا تعالیٰ کا محدود المکان ہونا لازم آتا ہے۔

ایک اور ضروری نکتہ اسجگہ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے آیت اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ سے پہلے مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ کے الفاظ میں یہود کی تدبیر کا مقابلہ تدبیر سے کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ مع رُوح و جسم آسمان پر اُٹھا لینا قدرت نمائی اور معجزہ تو کہلا سکتا ہے مگر تدبیر نہیں کہلا سکتا۔ اعجاز اور تدبیر آپس میں نمایاں فرق رکھتے ہیں۔ جس بات میں مخالف کسی حیلہ کے ذریعہ مقابلہ نہ کر سکتے ہوں وہ معجزہ ہے۔ اور جس امر میں کسی حیلہ کے ذریعہ سے

مقابلہ کر سکتے ہوں وہ حیلہ تدبیر ہوتی ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی تدبیر تو کوئی ایسا امر ہی ہو سکتی ہے جس کا مقابلہ یہودی بھی تدبیر سے کر سکتے ہوں اور پھر خدا تعالیٰ کے خیر الماکرین ہونے کی وجہ سے خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں ناکام رہیں۔ اور زندہ شخص کو آسمان پر اُٹھا لینا معجزہ نمائی تو کہلا سکتا ہے مگر تدبیر نہیں کہلا سکتا۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے صلیبی موت سے زندہ آسمان پر اُٹھا لینے سے نہیں بچایا بلکہ کسی مخفی تدبیر سے بچایا ہے۔

ہمارے سید و مولیٰ فخر الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپؐ کے مخالف آپؐ کے قتل کرنے یا قید کرنے یا جلا وطنی کی تدبیریں کر رہے ہیں وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ وہ بھی تدبیر کر رہے تھے اور خدا تعالیٰ بھی اُن کے بالمقابل تدبیر کر رہا ہے اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سے بہتر ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ تو کامیاب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن آپ کے قتل کی تدبیر پر سمجھوتہ کر لینے کے بعد سراسر ناکام رہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا بھی نہ کر سکے کیونکہ خدا تعالیٰ اپنی تدبیر کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے درمیان سے نکال کر لے گیا۔ اور پھر ہجرت کے بعد آپ کو ایسی کامیاب زندگی عطا فرمائی جس کی کوئی مثال کسی نبی میں موجود نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ

ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ (المؤمنون ع ۳ آیت ۵۱) کہ ہم نے ابن مریم اور اس کی والدہ کو نشان بنایا اور ان دونوں کو ایک بلند زمین کی طرف پناہ دی جو آرام والی اور چشموں والی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہاڑی علاقہ کی طرف یہ ہجرت بھی اس تدبیر کا ہی حصّہ ہے جو خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیبی موت سے بچا کر اُن کے متعلق اختیار کی۔

مودودی تفسیر

مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ کی تفسیر میں اپنی تفسیر "تفہیم القرآن" میں لکھتے ہیں:-

"اصل میں مُتَوَفِّيْكَ کا استعمال ہوا۔ توفّی کے اصل معنی لینے اور وصول کرنے کے ہیں۔ رُوح قبض کرنا اس لفظ کا مجازی استعمال ہے نہ کہ اصل لغوی معنے۔ یہاں یہ لفظ انگریزی لفظ To recall کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ یعنی کسی عہدہ دار کو اس کے منصب سے واپس بلا لینا۔"

ایک مطالبہ

اس موقعہ پر مولوی ابوالاعلیٰ صاحب سے میرا مطالبہ یہ ہے کہ وہ توفّی کا استعمال لُغت عربی میں منصب سے واپس بلا لینے کے معنوں میں ہی دکھا دیں۔ اور اس کی ایک مثال ہی پیش کر دیں۔

مگر وہ ایسا بھی نہیں کر سکیں گے بلکہ وہ کہہ دیں گے کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کی طرح کوئی شخص جسے خدا تعالیٰ نے منصب سے
واپس بلایا ہی نہیں تو میں اس کی مثال کیسے پیش کر سکتا ہوں۔ ایسا مطالبہ
تو ایک بے معنی بات ہے۔" یہ لفظ تو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
لئے ہی جب سے لغتِ عربی وجود میں آئی ہے۔ ڈیوٹی سے واپس بلا لینے کے
معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مگر کیا اگر وہ اس جگہ بھی یہی جواب دیں۔
تو اُن کا یہ جواب معقول کہلا سکتا ہے؟ میں اس امر کا فیصلہ صرف ادبی
ذوق رکھنے والوں پر ہی چھوڑتا ہوں کہ کیا یہ امر نئی لُغت ایجاد کرنا نہیں؟

احباب کرام: مودودی صاحب کا اتنا بیان تو قابلِ تسلیم ہے
کہ توفّی کے اصل معنے لینے اور وصول کرنے کے ہیں۔ مگر منصب سے
ہٹانے کے معنے ہرگز درست نہیں۔ بے شک وہ کہہ سکتے ہیں کہ رُوح
قبض کرنا اس کے مجازی معنے ہیں۔ مگر کسی لفظ کے استعمال میں زبان
کے اصولوں کو ملحوظ رکھنا تو ضروری امر ہے۔ مودودی صاحب نے توفّی
کے مجازی معنے قبض رُوح کرنا تسلیم کر لئے ہیں۔

مجاز کے متعلق علمِ بیان کا قاعدہ

اور علمِ بیان میں یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ جس محل پر کوئی لفظ
مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہو۔ اُس محل میں وہ لفظ حقیقی اور اصلی
لغوی معنوں میں استعمال شدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایسے محل پر اُس
کے اصلی لغوی معنے لینے محال ہوتے ہیں۔ مثلاً قرآن شریف میں آیا ہے
مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی کہ جو شخص اس دنیا میں

اندھا ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ اندھے کے لغوی معنے ہیں
جو آنکھوں سے اندھا ہو۔ مگر اس کے مجازی معنے بصیرتِ رُوحانیہ
سے عاری کے ہیں۔ لہٰذا اس جگہ ظاہری نابینائی کے معنے سراسر غلط
اور نامعقول ہونگے۔ کیونکہ محلِ استعمال مجازی معنوں کا ہے۔
توفّی کے مجازی معنے قبض رُوح کے ہیں۔ اور ان معنوں کا محلِ
استعمال یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ توفّی کرنے والا ہو اور انسان کی توفّی
کی جائے۔ اس موقعہ پر اس لفظ کے معنے قبض رُوح ہی ہوتے ہیں گو
یہ مجازی معنے قرار دیئے جائیں۔ مجازی معنے کے محل پر یہ لفظ اپنے
اصلی لغوی معنے "پورا لے لینا اور وصول کر لینا" میں استعمال نہیں ہوتا
پس چونکہ آیت یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ میں اور آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ
کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ میں دونوں جگہ خدا تعالیٰ فاعل ہے اور
حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو انسان ہیں توفّی کا مفعول بہ ہیں لہٰذا دونوں
آیتوں میں توفّی کے معنے وفات دینا ہی ضروری ہونگے۔ اس محل پر
کوئی دوسرے معنے کرنا علمِ بیان کے اصول کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

مودودی صاحب کی بے سلیقہ بات

مگر مولوی ابوالاعلیٰ صاحب فرماتے ہیں:-

"جو لوگ قرآن کی آیات سے مسیح کی وفات کا مفہوم نکالنے
کی کوشش کرتے ہیں وہ دراصل یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ میاں کو
صاف سلجھی ہوئی عبارت میں اپنا مطلب ظاہر کرنیکا سلیقہ نہیں ہے۔"
(تفہیم القرآن صفحہ ۲۵۸)

مودودی صاحب نے اسجگہ کیا عجیب بات کہی ہے جو خود اُن کے اپنے ہی بیان پر چسپاں ہوتی ہے نہ کہ ہمارے بیان پر۔ ہمارا بیان تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق متنازع فیہ دو آیتوں کے علاوہ تیئیس ۲۳ جگہ توفّی کا لفظ انسانوں کے قبض رُوح اور وفات کے معنوں میں ہی استعمال فرمایا ہے نہ کہ واپس لے لینے کے معنوں میں۔ اگر ان سب مقامات میں قبض رُوح اور وفات کے معنوں میں خدا تعالیٰ کا یہ لفظ استعمال کرنا عین سلیقہ شعاری اور سُلجھا ہُوا طریق ہے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لئے یہ لفظ وفات کے معنوں میں استعمال شدہ تصوّر کرنے میں کیا اُلجھن اور بے سلیقگی متصوّر ہو سکتی ہے؟ خدا تعالیٰ کا تو طریق ہی یہ ہے کہ وہ جہاں انسان کے لئے توفّی کا لفظ استعمال فرماتا ہے اس سے اُس کی مراد قبض رُوح یا وفات دینا ہی ہوتی ہے لہذا ان معنوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق توفّی کا لفظ استعمال کرنے میں خدا تعالیٰ کا بے سلیقہ ہونا تو لازم نہیں آتا البتہ مودودی صاحب کی بے سلیقگی اور طبیعت کا اُلجھاؤ ضرور ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اِس لفظ کے مجازی معنی میں استعمال کے محل پر اس کے لغوی معنوں میں استعمال کا دعوٰی کر کے لاریب اپنی بے سلیقگی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

مودودی صاحب کے نزدیک قرآن مجید کا بیان واضح نہیں

مودودی صاحب تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۲۴۵ پر آیت بَلْ

رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:-

"قرآن نہ اِس کی تصریح کرتا ہے کہ اللہ ان کو جسم و رُوح کے ساتھ کرۂ زمین سے اُٹھا کر آسمان پر لے گیا اور نہ یہی صاف کہتا ہے کہ انہوں نے زمین پر طبعی موت پائی۔ اور صرف اُن کی رُوح اُٹھائی گئی۔ اِس لئے قرآن کی بنیاد پر تو اِن میں سے کسی ایک پہلو کی قطعی نفی کی جا سکتی ہے نہ اثبات۔"

(تفہیم القرآن صـ ۲۴۰)

احباب کرام! دیکھئے جناب مولوی مودودی صاحب اِس عبارت میں آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کی تفسیر میں خدا تعالیٰ کی طرف کوئی سُلجھا ہُوا مضمون پیش کرنا منسوب کر رہے ہیں یا بے حد اُلجھا ہُوا؟ جو خدا کی شان کے صریح منافی ہے۔ مگر یہ اُلجھاؤ صرف مولوی صاحب موصوف کی طبیعت کا ہے ورنہ قرآن مجید کا یہ بیان بھی صرف ایک ہی پہلو رکھتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے باعزت طبعی وفات پائی۔

مولوی مودودی صاحب کے نزدیک اِنکی تفسیر کی رُو سے از روئے قرآن مجید حضرت عیسٰی علیہ السلام کا آسمان پر مع رُوح وجسم جانا تو قطعی نہ ہُوا۔ مگر کرۂ زمین پر رہنا تو اُن کے نزدیک قطعی ہے۔ کیونکہ زمین پر تو وہ پہلے سے ہی قطعی طور پر موجود تھے۔ پس مودودی صاحب اگر انہیں اب تک کہیں کرۂ زمین پر ہی زندہ مانتے ہیں تو پھر تو انہیں اُن کی تلاش کرنی چاہیئے۔

خدا تعالیٰ نے وہ زمین قرآن مجید میں فَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ کے الفاظ میں بتا دی ہوئی ہے۔ پس ایسی پہاڑی وادیوں میں انہیں اُن کی تلاش ضرور کرنی چاہیئے کیونکہ رفع الی اللہ کے معنے آسمان پر جانا تو اُن کے نزدیک معیّن نہیں اور کسی اونچے پہاڑی علاقہ میں اُن کی ہجرت قرآن کریم میں مذکور ہے۔

ایک سوال

ہاں اس موقعہ پر مودودی صاحب سے یہ پُوچھنا بھی ضروری ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرۂ زمین پر ہی کسی جگہ مخفی ہیں تو پھر اُن کے فرشتوں کے کندھوں پر منارۃ البیضاء کے پاس نازل ہونے والی حدیث کی آپ کیا تشریح فرمائیں گے کیونکہ وہ تو پھر زمین سے برآمد ہونے چاہئیں۔ آسمان سے تو نہیں آسکتے۔

خدا کے بندو! کیوں سیدھے طور سے یہ نہیں مان لیتے کہ نزولِ مسیح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی مثیل کا آنا ہے اور دو فرشتوں کے کندھوں پر نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ اُس مسیح موعود کو آسمانی مدد حاصل ہوگی۔ وہ صاحب وحی و الہام ہوگا اور ملائکہ کا تائید یافتہ ہوگا تا ہر قسم کی اُلجھنوں سے بچ جاؤ۔

خلاصہ کلام

چونکہ سورہ مائدہ کی آیت كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ سے واضح اور روشن طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پاکر دوبارہ واپس نہ آنا ثابت ہے۔ اس لئے نزولِ مسیح ابن مریم سے متعلقہ پیشگوئیوں

میں ابنِ مریم کا لفظ بطور استعارہ تسلیم کرنا ضروری ہے کیونکہ جو شخص وفات پا جائے وہ بموجب نصوص قرآنیہ اس دُنیا میں واپس نہیں آسکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ یعنی تم پھر اس کے بعد (یعنی پیدا ہونے کے بعد) ضرور مرنے والے ہو۔ پھر یقیناً تم قیامت کے دن اُٹھائے جاؤ گے۔

لیکن اگر یہ قانون بھی ہوتا کہ کوئی وفات یافتہ زندہ ہو کر اس دنیا میں واپس آسکتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر بھی واپس نہیں آ سکتے کیونکہ قیامت کے دن فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں وہ جو جواب دیں گے اُس سے ظاہر ہے کہ توفی کے بعد انہیں قوم میں دوبارہ آنے کا موقعہ نہیں ملا ہوگا۔ کیونکہ وہ کہیں گے۔ میری توفّی کے بعد (اے خدا) اُن پر تو ہی نگران تھا۔ یعنی توفی کے بعد مجھے پھر قوم میں دوبارہ جانے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ اور توفّی سے پہلے کی حالت کا ذکر وہ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ کے الفاظ سے کریں گے کہ میں اُن کا اس وقت تک نگران رہا۔ جب تک اُن میں موجود رہا۔ پس قوم میں موجودگی کے بعد اُن کی جو توفّی ہوئی اس سے قوم میں واپسی اور قوم کے بگڑنے کی حالت کے متعلق مشاہداتی علم رکھنے سے وہ انکار کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے اس لئے نزولِ ابنِ مریم کی پیشگوئی میں "ابن مریم" کا لفظ بطور استعارہ

تسلیم کرنا ضروری ہوا - وہذا ہو المراد

ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ علم معانی والے کہتے ہیں لا استعارۃ فی الاعلام - مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عَلَمْ یعنی نام بطور استعارہ کسی صورت میں استعمال ہی نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ ہے کہ استعارہ اس عَلَمْ کے کسی خاص وصف میں ہوتا ہے - جیسے کسی کو سخی ہونے کی وجہ سے حاتم کہہ دیا جاتا ہے -

نیز دیکھیئے: ابوسفیان نے ہرقل قیصر روم کے دربار میں لقد امر امر ابن ابی کبشۃ کے الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ابن عبداللہ تھے استعارہ کے طور پر ہی ابن ابی کبشۃ کہا ہے - یہ روایت صحیح بخاری میں درج ہے - اسجگہ ابوسفیان کی مراد یہ ہے کہ آپ ایک وصف میں ابن ابی کبشہ کے مثیل ہیں -

علاوہ ازیں صحیح بخاری میں ایک اور حدیث بھی موجود ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

"مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ اِلَّا وَالشَّیْطَانُ یَمَسُّہٗ فَیَسْتَہِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّیْطٰنِ اِیَّاہُ اِلَّا مَرْیَمَ وَابْنَہَا۔"

یعنی کوئی مولود پیدا نہیں ہوگا مگر شیطان اُسے ولادت کے وقت چھوئیگا - پس وہ شیطان کے اُسے چھونے پر چیخے چلائیگا بجز مریم اور ابن مریم کے -

اس حدیث نبوی میں بتایا گیا ہے کہ جب بلوغت پر انسان کی معنوی ولادت ہوتی ہے اور اس طرح کوئی انسان ایک صحیح مذہب میں جنم لیتا ہے تو اس معنوی ولادت پر شیطان اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے - اور اسے گمراہ کرنا چاہتا ہے - اس موقعہ پر یہ روحانی مولود دعاؤں میں لگ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتا ہے کہ وہ اُسے شیطان کے حملے سے محفوظ رکھے - مگر جو شخص ولادت معنوی کے موقعہ پر مریمی مقام یا ابن مریم کا مقام رکھے وہ مسّ شیطان سے پاک ہوگا -

اس حدیث میں "مریم" اور "ابن مریم" کا لفظ ایسے بزرگانِ اُمت کے لئے بطور مجاز و استعارہ استعمال ہوا ہے جو مقام ولایت یا مقامِ نبوت تک پہنچے ہوں - ایسے لوگ مسّ شیطان سے بالکل پاک رہتے ہیں - اس قسم کے لوگوں کا ذکر سورۃ تحریم رکوع ۲ کی آیت میں بھی کیا گیا ہے - چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ۝

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مثال فرعون کی عورت سے

بیان کی ہے۔ جب اُس نے کہا۔ اے میرے رب! تُو میرا گھر اپنے پاس جنت میں بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔ اور (مومنوں کی) مریم بنت عمران سے مثال دی ہے جس نے اپنی شرمگاہ کو بچایا۔ پس ہم نے اُس میں رُوح پھونکی اور اس نے خدا کے کلمات کو سچا جانا اور فرمانبرداروں میں سے تھی۔

اِن آیات میں مومنوں کے لئے دو تمثیلیں دی گئی ہیں۔ چنانچہ پہلی آیت میں بعض مومنوں کو فرعون کی بیوی سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ جو فرعون اور اُس کے عمل اور ظالموں سے نجات پانے کے لئے دُعائیں کرتی تھی اسی قسم کے مومن وہ ہوتے ہیں جن کا ذکر حدیث نبوی میں انہیں شیطان کے چھُونے اور اُن کے چیخنے چلانے کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ دوسری قسم کے مومنوں کی مثال مریم بنت عمران سے دی گئی ہے جس میں نفخِ رُوح سے حضرت ابن مریمؑ پیدا ہوئے۔ حدیث نبویؐ میں اِن دونوں کا ذکر اِلَّا مَرْیَمَ وَ ابْنَھَا میں کیا گیا ہے اور انہیں مسِّ شیطان سے پاک قرار دیا گیا ہے۔

پس اِس حدیث میں "مریم" اور "ابن مریم" کے الفاظ بطور استعارہ وصفِ مریمی اور وصفِ ابن مریم رکھنے والے انسانوں کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ حضرت مریمؑ ولایت کی صفت سے متصف تھیں اور ابن مریم نبی اللہ تھے اور المسیح کی صفت سے متصف تھے۔ اور بتایا گیا ہے کہ

اُمت میں مریمی صفات و ابن مریم کی صفات سے متصف ہونے والے یا دوسرے لفظوں میں اُن کے مثیل مسِّ شیطان سے پاک رہتے ہیں۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ کوئی نبی اور ولی سوائے مریم اور ابن مریم کے مسِّ شیطان سے پاک نہیں۔

پس حدیثِ نبوی میں ابن مریم کے نزول کی پیشگوئی میں ایسے شخص کا اُمتِ محمدیہ سے ظہور ہی مراد ہو سکتا ہے جو مثیل مسیح ابن مریم ہو کر اُمتِ محمدیہ کا المسیح الموعود ہے۔

مسیح موعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ

حدیث صحیح بخاری میں نازل ہونے والے "ابن مریم" کو اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کہہ کر اور حدیث صحیح مسلم میں فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ کہہ کر اور حدیث مسند احمد بن حنبلؒ میں اِمَامًا مَھْدِیًّا کہہ کر اس "ابن مریم" کو اُمتِ محمدیہ میں سے اُمت کا امام قرار دیا گیا ہے۔ طبرانی کی ایک حدیث میں آیا ہے:۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ وَلَا رَسُوْلٌ۔ اَلَا اِنَّہٗ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ بَعْدِیْ اَلَا اِنَّہٗ یَقْتُلُ الدَّجَّالَ وَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَضَعُ الْجِزْیَۃَ وَتَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا۔ اَلَا مَنْ اَدْرَکَہٗ فَلْیَقْرَءْ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

(طبرانی فی الاوسط والصغیر)

یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک میرے اور عیسٰی بن مریم کے درمیان کوئی نبی اور رسول نہیں۔ سُنو! یقیناً وہ میری اُمت میں میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔

سُنو! بیشک وہ دجّال کو قتل کریگا۔ اور صلیب کو توڑے گا اور جزیہ موقوف کردیگا۔ اور لڑائی اپنے اوزار رکھ دے گی۔ سُنو! جو تم میں سے اُسے پائے اُسے السلام علیکم کہے۔

احباب کرام! یہ حدیث میں اس بات کے ثبوت میں پیش کررہا ہوں کہ اُمتِ محمّدیہ میں موعود عیسیٰ بن مریم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی اور رسول کہا ہے اور اُس کے متعلق یہ بھی بتایا ہے کہ وہ آپؐ کے بعد آپ کا خلیفہ اور جانشین ہوگا۔

اور قرآن مجید کی آیتِ استخلاف سے جو سورۂ نُور میں نازل ہوئی یہ امر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے تمام خلفاء آپ کی اُمّت میں سے ہونگے اور یہ سب خلفاء اسلام سے پہلے گذرے ہوئے خلفاء کے مثیل ہونگے۔ یہ آیت کسی پہلے نبی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے کو امرِ محال قرار دیتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ (سورۂ نور ع ۷)

یعنی اللہ تعالےٰ نے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لاکر اعمال صالحہ بجالائیں گے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُس نے اُن لوگوں کو خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور ضرور اُن کا وہ دین اُن کے لئے مضبوط کریگا جو اس نے اُن کیلئے پسند کیا ہے۔ اور ضرور اُن کو خوف کے بعد امن سے بدل دیگا۔

یہ آیت اس بات پر نصِ صریح ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں موعودہ خلافت کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیوں کو دیا گیا ہے اور اُمتِ محمّدیہ کے خلفاء کو پہلے گذرے ہوئے خلفاء سے كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہہ کر لفظ كَمَا کے ذریعہ تشبیہ دی گئی ہے۔ پس اس اُمت کے خلفاء مشبّہ ہیں اور پہلی اُمتوں کے خلفاء مشبّہ بہ۔ چونکہ مشبّہ اور مشبّہ بہ میں از روئے علمِ بیان مغائرت کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اُمتِ محمّدیہ کے خلفاء پہلے گذرے ہوئے خلفاء کے غیر ہونگے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی پہلا خلیفہ آکر اُمّتِ محمّدیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بن جائے۔ کیونکہ اس سے مشبّہ اور مشبّہ بہ کا عین ہوجانا لازم آتا ہے جو محال ہے۔ اور جس امر سے ایک محال امر لازم آئے۔ وہ امر باطل ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اصالتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بننا محال ہے۔ لہٰذا اُن کا دوبارہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بننا مستلزم محال ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور ثابت ہوگیا کہ حدیثِ نبوّیؐ کی یہی تعبیر درست ہے کہ اس حدیث کے موعود عیسیٰ بن مریم سے مراد درحقیقت اُمّتِ محمّدیہ کا ایک فرد ہے جو اُمّت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خلیفہ ہوگا اور اُسے عیسیٰ ابن مریم کا نام المسیح کا وصف رکھنے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

غیر احمدیوں کی غلط تعبیر

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی حدیث كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ میں امام سے مراد امام مہدی ہے اور حدیث ہذا میں وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ کے

الفاظ نازل ہونے والے "ابن مریمؑ" کے متعلق استعمال نہیں کئے گئے بلکہ ایک دوسرے شخص امام مہدی کے متعلق بیان کئے گئے ہیں۔

اس کے جواب میں واضح ہو کہ حدیث ہذا میں وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ جملہ اسمیہ بطور حال کے واقع ہوا ہے اور ذوالحال اس کا اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ ہے اور اس حدیث میں "ابن مریمؑ" سے کسی الگ امام کا ذکر نہیں جسے اُمت میں سے قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے اِن معنوں کی تائید صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ سے ہو رہی ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ جملہ اسمیہ ہے اور اس کا مبتدا هُوَ محذوف ہے۔ دوسری حدیث میں جو صحیح مسلم میں وارد ہے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کی بجائے فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ پورا جملہ فعلیہ استعمال ہوا ہے۔ اَمَّ فعل ماضی ہے جس میں هُوَ ضمیر غائب مُستتر ہے۔ اس کا مرجع صرف ابن مریم ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا جس طرح دوسری حدیث میں ابن مریم کو ہی امت میں اُمت کا امام قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث میں بطور جملہ اسمیہ یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

ایک تیسری حدیث ایک تیسری حدیث میں وارد ہے۔ یُوْشِکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَلْقٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَهْدِیًّا حَکَمًا عَدْلًا یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ۔ الحدیث۔

(مسند احمد حنبل بروایت ابوہریرہؓ جلد ۲ صفحہ ۴۱۱)

قریب ہے کہ جو تم میں سے زندہ ہو وہ عیسیٰ بن مریم سے ملے اسکے امام مہدی حکم اور عدل ہونیکی حالت میں۔ وہ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کریگا۔

پس ان حدیثوں میں امام اور مسیح ابن مریم کو ایک ہی وجود قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مہدی کے متعلق جسقدر احادیث مروی ہیں جن میں بعض مجروح اور ضعیف بھی ہیں وہ سب مہدی کو اُمت کا ایک فرد ہی قرار دیتی ہیں۔

ایک اور حدیث صحیح بخاری میں دو اور حدیثیں وارد ہیں ایک میں ذکر ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ بن مریم کو یحیٰی نبی کے ساتھ دوسرے آسمان پر دیکھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا کر حضرت یحیٰی علیہ السلام کے ساتھ برزخی زندگی گذار رہے ہیں۔ لہذا اُن کی جسمانی زندگی کا خیال باطل ہے۔ اس حدیث سے صرف اُن کی برزخی زندگی کا ثبوت ملتا ہے۔ ورنہ زندہ کا وفات یافتہ کے ساتھ رہنے کا کوئی جوڑ نہیں۔ پھر حدیث معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ اَحْمَرُ جَعْدٌ کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ سُرخ اور گھنگھرالے بال تھے (بخاری)۔
ایک دوسری حدیث میں وارد ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دجال کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور اس کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو طواف کرتے دیکھا۔ اس جگہ آپ نے عیسیٰ بن مریم کا حلیہ اٰدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ بیان فرمایا ہے کہ اس کا رنگ گندمی ہے اور بال لٹک رہے ہیں۔

پس یحیٰی علیہ السلام کا ساتھی عیسیٰؑ بن مریمؑ اور شخص ہے اور دجال کا پیچھا کرنے والا عیسیٰؑ ابن مریم اور شخص ہے۔ کیونکہ دونوں کے حلیے الگ الگ ہیں جو دو الگ الگ شخصوں پر دلالت کر رہے ہیں۔

آیت خاتم النبیین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصالتاً آنے میں روک ہے۔

سب سے آخری بات جو میں کہنی چاہتا ہوں یہ ہے کہ آیتِ خاتم النبیین بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصالتاً نزول میں روک ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستقل نبی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے رو سے جامع جمیع کمالاتِ انبیاء ہونے کی وجہ سے آخری شارع اور مستقل نبی بھی ہیں۔ لہٰذا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصالتاً دنیا میں آجائیں تو چونکہ وہ مستقل نبی تھے اس لئے آخری مستقل نبی ہونے کی وجہ سے وہ خاتم النبیین بن جائیں گے اور اس طرح خاتم النبیین بمعنی آخری مستقل نبی ہونے کا وصف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھین لیں گے۔ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خاتم النبیین کے وصف کے کسی پہلو کا سلب بھی محال ہے لہٰذا جو عقیدہ اس محال کو مستلزم ہو وہ باطل ہوگا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو مستقل نبی ہیں اُن کا اصالتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنا خاتم النبیین کے وصف "آخری مستقل نبی" کو چھین لینے کو مستلزم ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصالتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں آنے کا عقیدہ باطل ہوا۔

اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بمعنے آخری نبی اس لحاظ سے ہیں کہ آپ پیدا ہونے کے لحاظ سے آخری نبی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہونے کے لحاظ سے آخری نبی نہیں تو یہ بات بھی ایک محال امر کو مستلزم ہے کیونکہ اس سے ختم نبوت کا دو نبیوں میں تقسیم ہو جانا لازم آتا ہے۔ اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کامل خاتم النبیین نہیں رہتے۔ بلکہ آدھے خاتم النبیین بمعنی پیدا ہونے کے لحاظ سے آخری نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرار پاتے ہیں۔ اور آدھے خاتم النبیین بمعنی مستقل آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر پیدا ہونے کے لحاظ سے آخری مستقل نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرار پاتے ہیں تو لمبی عمر پانے کے لحاظ سے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن جاتے ہیں۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو مستقل نبی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنا آنحضرتؐ کے خاتم النبیین ہونے کے صریح منافی ہے۔ چونکہ امتِ محمدیہ کے مسیح موعود کو احادیثِ نبویہ میں نبی اللہ بھی قرار دیا گیا ہے اور اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اور فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ کہکر اُسے اُمّتِ محمدیہ میں سے اُمّت کا ایک فرد بھی قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے بوجہ اُمّتی ہونے کے مسیح موعود کی نبوت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منافی نہیں بلکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا فیض اور ظلّ وعکس قرار پاتی ہے۔ کیونکہ اُمّتی کا ہر کمال اپنے نبیٔ متبوع کا ظلّ عکس اور فیض ہوتا ہے۔ اسی لئے مسیح موعود کو احادیثِ نبویّہ میں ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمّتی یعنی ظلّی نبی قرار دیا گیا ہے نہ کہ کوئی مستقل نبی۔ دیکھئے اُمّتی کا مفہوم یہی ہُوا کرتا ہے کہ اُسے تمام کمالات اپنے نبیٔ متبوع کی پیروی کی شرط سے حاصل ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کمالِ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ذریعہ حاصل نہیں ہُوا۔ لہٰذا اگر وہ اصالتاً نازل ہوں تو انہیں کامل اُمّتی اور نبی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اُمّتی نبی یا بالفاظ دیگر ظلّی نبی کے لئے تو ضروری ہے کہ وہ

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بعد آپؐ کے افاضۂ روحانیہ سے نبوت کا درجہ پائے تبھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی یعنی ظلّی ہوگا۔ چونکہ اصل کو اپنے ظلّ کامل سے مغائرت اور دوئی نہیں ہوتی لہذا ظلّی نبوت ختمِ نبوت کے منافی نہیں۔ بلکہ وہ اصل کی ختم نبوت کا عکس اور فیض ہے اور اصل کا کامل ظلّ ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کا مصداق ہوتا ہے۔ کیا جب آئینہ میں آپ اپنی شکل دیکھتے ہیں تو دو انسان ہو جاتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ظلّی صورت اپنے اصل کا عکس ہونے کی وجہ سے اس سے اتحاد رکھتی ہے۔ ظلّی نبی کی آمد سے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کا آنا لازم آتا ہے اور نہ پُرانے نبی کا۔ اس طرح ختم نبوت ہر پہلو سے محفوظ رہتی ہے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرے انبیاء کے بالمقابل کمالِ فیضان بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

(ضیاء الاسلام پریس ربوہ)